دینی مدارس کا کردار، ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے تصورات کی روشنی میں

ROLE OF RELIGIOUS SCHOOLS, IN THE LIGHT OF DR. MAHMOOD AHMAD GHAZI'S OPINIONS

ڈاکٹر محبوب الرحمٰن قریشی*

ڈاکٹر فخر الدین**

DOI: 10.29370/siarj/issue3ar3
Link: https://doi.org/10.29370/siarj/issue3ar3

ABSTRACT:

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi's personality does not need any introduction; rather his publication and services to Islam are enough to introduce him. In addition to his numerous publications, like the world famous Muhadhraat, Dr. Ghazi served on a number of prominent positions including the Justice of Shariat Court, Member of Islamic Ideology Council, Faculty member and fellow at various international universities (including Qatar University), Member Advisory board of State Bank, and Federal Minister for Religious Affairs. In his diverse scholarly career, Dr. Ghazi providing illuminating guidance on a number of organizational, socio-cultural and theological issues faced by the Islamic ummah. One of the institutions where these three aspects synergize with each in order to serve one of the most eminent needs of our Ummah is the institution of Islamic seminaries or the deeni madaris. These seminaries have a pivotal role in the transformation and maintenance of culture and norms of our society. The Islamic knowledge and practices that we see flouring in our society is a glaring contribution of these institutions. Dr. Mehmood Ahmad Ghazi had a lifelong association with these institutions and he left no stone unturned for their betterment. As a renowned scholar, educationist and federal minister, he duly highlighted the importance of these seminaries in national and international forums. However, he was

* مدرس ثانوی ہائی سکول سکھو۔ برقی پتا : mrqureshi072@yahoo.com

** لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ و تحقیق، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں۔ برقی پتا: fakhar_07@yahoo.com

also a strong advocate of reforms in these institutes. He stressed the administrators of these seminaries to modify the curriculum by including modern and scientific subjects, to keep pace with the rapidly changing world. He was of the view that graduates of these institutes must be able to compete with university graduates in every sphere of life. In short, Dr. Ghazi's ideas are thought provoking, inspiring, and attuned to the needs of the modern era. He gave new dimensions to various fields of Islamic scholarship and his personality serves as a beacon for the Muslim youth and their leadership.

KEYWORDS: Dr.Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Madaris , Needs of the modern era , Modern thought, Madaris reforms

کلیدی الفاظ: ڈاکٹر غازی، مدارس اسلامیہ، عصری تطبیق، فکر جدید، اصلاحاتِ مدارس

اسلام صرف ایک دین یا مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔امن و آشتی کا علمبر دار ہے۔انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے اور یہ دینی ادارے مساجد، خانقاہیں، علماء وفقہاء کی علمی مجالس اور مدارس اسلام کے پیغامِ امن کی ترویج و اشاعت میں اپنا کردار مثبت انداز سے ادا کر رہے ہیں۔ گو ان میں مزید بہتری کے لیے اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں اسلام کا وجود ان اداروں کے مرہونِ منت ہے آج دنیا میں جہاں بھی قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں ان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ دینی مدارس کا کردار نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔یہ مدارس قرآن، حدیث، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقہ، تفسیر اور دیگر علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کا باعث ہیں۔ مدارس دینیہ کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا قول "تحفۃ المدارس" میں نقل کیا گیا ہے: "یہ اسلامی مدرسے اس تاریکی کے زمانہ میں کہ جہل عالمگیر ہے بمنزلہ آفتاب و ماہتاب ہیں جو اپنے نور سے عالم کو منور کر رہے ہیں۔ غور کر کے دیکھو کہ آج یہ اسلامی مدارس صفحہ عالم پر نہ ہوتے تو کیا علوم اسلامیہ عدم کو نہ سدھار جاتے اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسائل کا بتلانے والا نہ ملتا اور اب ان مدارس کی بدولت شہر شہر، قصبہ قصبہ بلکہ گاؤں میں بھی علماء موجود ہیں جو دین محمدیﷺ کی اشاعت کر رہے ہیں اور خلقت کو گمراہی سے بچا رہے ہیں، تو ایسے مدارس کو جو خلافت نبوت کی خدمت بجا آوری کر رہے ہوں، کون ایسا مسلمان ہے جو عزت اور محبت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا ایسا شخص تو وہی ہو سکتا ہے جس کو نہ اسلام سے تعلق ہو اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علاقہ ہو، نہ خدا تعالیٰ سے سروکار۔ شقاوت ازلی اس کے سر پر سوار ہو، ان کا یکاد شمن اور مخالف ہو تو کچھ تعجب انگیز نہیں۔۔۔ پس ہر شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کرنا مدِ نظر ہو وہ ان مدارس کے ساتھ اپنی

محبت کا اندازہ کر کے دیکھ لے"[1]

مدرسہ کا لفظ عربی لغت میں تعلیمی ادارے کے لئے مستعمل ہے جہاں باقاعدہ رسمی طور پر درس و تدریس کام کیا جا رہا ہو لیکن اصطلاحاً مدرسہ سے مراد دینی مدرسہ ہے جہاں علوم اسلامیہ کو بالخصوص موضوع بنایا جاتا ہے۔ اگرچہ آج کے دور کی ضروریات کے پیش نظر دینی مدارس میں جدید عصری علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے لیکن ان مدارس کا اصل مدعا و مقصد مسلمانوں کو علوم دینیہ سے روشناس کرانا اور اسلامی ثقافت کو نئی نسل تک منتقل کرنا ہے۔ دینی مدارس کے مقاصد کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا ابو جندل لکھتے ہیں۔

قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار اولین مقاصد بیان ہوئے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ[2]

یعنی آیات قرآنیہ کی تلاوت، قرآن کریم کے احکام کی تعلیم، حکمت اور تزکیۂ نفس۔

آج دینی مدارس کے اندر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو پورا کیا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ صرف دینی مدارس ہی اس مقصد کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں پر جو کام آپ نے ترجیحاً سرانجام دیے ان میں مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کے علاوہ ایک اسلامی ریاست کا قیام بھی شامل ہے۔ اس دور میں مسجد صرف عبادات کیلئے محدود نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی اعمال، مشاورت، مسائل، سماجی و معاشرتی پہلو بھی زیرِ بحث لائے جاتے تھے۔ مسجد نبوی میں ایک قطعہ اراضی "صفہ" کے نام سے درس و تدریس کیلئے مختص کیا گیا جہاں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے علاوہ بے سہارا اور مفلس مسلمانوں کیلئے قیام و طعام کا انتظام کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود ایک عظیم معلم کی حیثیت سے درس و تدریس کے فرائضِ منصبی سرانجام دیتے اور صحابہ کرامؓ کو اس عظیم مجلس کے طلبہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس علمی مجلس نے جید علماء و فقہاء کی ایک کھیپ تیار کی جو مختلف علاقوں میں علم و عمل کی شمعیں روشن کرتے چلے گئے اور یوں چراغ سے چراغ روشن ہوتے گئے اور آج ہم دیکھتے ہیں اسلام بعینہٖ ہمارے پاس موجود ہے۔

تاریخِ اسلام کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں دینی مدارس کا باقاعدہ کوئی نظام نہیں تھا علماء و فقہاء کی

علمی مجالس اور گروہی بحث و مباحثہ ہی علوم دینیہ کی ترویج کا باعث بنا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور بغداد وغیرہ میں صحابہ کرام اور بعد میں تابعین صحابہ کی علمی مجالس میں قرآن و حدیث جیسے بنیادی علوم کی تدریس کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مکی دور میں مسجد ابو بکر صدیقؓ، دار ارقم، بیت فاطمہ بنت خطاب، شعب ابی طالب وغیرہ کو کسی حد تک درسگاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اس کے باوجود مکی دور میں متعدد قراء و معلمین پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دی۔ ہجرت عامہ کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں مرکزی درسگاہ قائم ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ تعلیم دیتے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ بھی اس درسگاہ کے معلم تھے۔ یہاں کے طلبہ اپنے گھروں میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دیتے تھے اور چند دنوں میں پورا شہر مدینہ دارالعلم بن گیا۔[4]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کی درس و تدریس کے لئے باقاعدہ اداروں کے قیام کی ضرورت محسوس کی گئی جہاں پر دینی علوم کی درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا اور یوں یہ سلسلہ عالمِ اسلام کے طول و عرض تک پھیلتا گیا اور آج دنیا کے بیشتر ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں یہ دینی مدارس موجود ہیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اسلام کی تبلیغ میں اپنا حصہ شامل کر رہے ہیں۔ آج کے پر فتن دور میں دینی مدارس ہر طرف سے تنقید اور الزامات کی زد میں ہیں۔ آج کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان اداروں کو اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لیے زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنا ہوگا۔ دینی مدارس کے حوالے سے جب بھی بات کی جاتی ہے تو ڈاکٹر محمود احمد غازی (مرحوم) کا ذکر ضروری تصور ہوتا ہے کیونکہ ڈاکٹر غازی کا دینی مدارس کے تناظر میں ایک اہم کردار ہے۔
ڈاکٹر غازیؒ کا تعلق ایک خالص مذہبی گھرانے سے تھا، آپ کی دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا، مختلف دینی مدارس سے فاضل عربی و فاضل فارسی کے امتحانات پاس کیے۔ آپ کی پرورش دینی ماحول میں مکمل ہوئی، ظاہری وضع قطع سے یقیناً آپ ایک ماڈرن آدمی نظر آتے تھے لیکن نظریاتی طور پر آپ ایک مکمل "مولوی" تھے۔ دینی تعلیم کے حصول کے لیے آپ مختلف دینی مدارس سے منسلک رہے اور یوں یہ مدارس آپ کی مادر علمی کا درجہ رکھتے ہیں، اور مادر علمی سے والہانہ وابستگی ایک فطری عمل ہے۔ اس وابستگی کا اظہار آپ کی تحریر و تقریر سے بخوبی ہوتا ہے، آپ نے ہر فورم پر دینی مدارس کے قیام کی ضرورت واہمیت پر زور دیا۔ دینی مدارس کا قیام، امت مسلمہ کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے، آج کا دور مادیت پسندی کا دور ہے، مادی ترقی کی آڑ میں ہم اخلاقی اقدار کو بھول چکے ہیں، مغربی استعماری طاقتیں اپنی طاقت اور اقتدار کے نشے میں دنیا پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ اور عالم اسلام خصوصی طور پر ان کی زد میں ہے۔ مسلمانوں کو اپنا دینی تشخص برقرار رکھنا ایک چیلنج سے کم نہیں۔ عالم اسلام کے وسائل پر مغرب کی نظر ہے،

مسلمانوں سے ان کے وسائل چھیننے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے، لیکن اس پس منظر میں یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ مغرب کی یہ یلغار عقیدہ و نظریات کے محاذ پر مسلمانوں کو مغلوب کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے، بلکہ اس کے رد عمل میں مسلمانوں میں مذہبی رجحان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

اس امید افزاء صورت حال میں جہاں اہل علم کی خدمات کو اہمیت حاصل ہے وہاں دینی مدارس اور خانقاہوں کا کلیدی کردار ہے، لیکن جس منصوبہ بندی کے ساتھ اقوام عالم اپنے عقیدے کی تبلیغ و ترویج کر رہی ہیں، تمام تر وسائل بروئے کار لائے جارہے ہیں، اسلام کے خلاف زہریلہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، ان حالات میں دینی مدارس کے کردار کو مزید فعال بنانا ناگزیر ہو چکا ہے، صرف روایتی درس و تدریس کارگر نہیں ہے۔

ڈاکٹر غازیؒ نے اپنے خطبات میں دینی مدارس کے نظام تعلیم میں مثبت تبدیلیوں کی سفارش کی، ڈاکٹر غازیؒ جب مشرف دور میں سیکورٹی کونسل کے ممبر تھے، اس دوران ۳۱ اگست ۲۰۰۰ء کو انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

" دینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے حکومت نے جامع منصوبہ بندی کی ہے جس کے تحت ان مدارس کے نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس میں بعض تبدیلیوں کی سفارش کی ہے تاکہ یہ ادارے مذہبی سکالرز کے ساتھ ساتھ ایسے افراد بھی تیار کر سکیں جو ہر شعبہ میں اپنی خدمات سرانجام دے سکیں۔"[5]

گو آپ اس بات کے قائل نہ تھے کہ ان مدارس سے ڈاکٹرز اور انجینئرز تیار ہوں لیکن دینی مدارس کا مقصود محدثین، مفسرین اور فقہاء پیدا کرنا ہو، تاکہ صحیح معنوں میں اسلامی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ دینی مدارس کے طلبہ کو جدید عصری علوم سے آراستہ کرنا دور جدید کی ضرورت ہے اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب ایک مثال سے استدلال کرتے ہیں:۔

بینکاری کے نظام کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے لیے ہمیں ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں فقہی تخصص اور تعمق رکھتے ہوں اور جدید بینکاری کے نظام سے بھی ضرورت کی حد تک واقف ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ فقہ، حدیث کی تعلیم ختم کر کے ان کو بینکار اور اکانومسٹ بنا دیا جائے، بینکار اور اکانومسٹ الگ رہیں گے۔ البتہ ان کو بھی شریعت اور اسلام کا بنیادی فہم دینے کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر کی سطح پر بینکاروں کا مقابلہ خاص فنی مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں وہ فنی مہارتیں ہیں وہاں بدقسمتی سے شریعت کا علم نہیں اور جہاں شریعت کا علم ہے

وہاں جدید فنی مہارتوں کا فقدان ہے۔ تو کیا یہ ہم پر فرض کفایہ نہیں ہے کہ ہم شریعت کے ایسے متعمق ماہرین پیدا کریں؟ جو دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذوق و مزاج کے ساتھ ساتھ دور جدید کے معیار کی فنی مہارت رکھتے ہوں "[6]

جنرل مشرف کے دور اقتدار میں ڈاکٹر غازیؒ ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۶ء وفاقی وزیر برائے مذہبی امور کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے، وزارت کے عہدہ پر فائز ہونا دنیاوی جاہ و جلال کے حصول کے لیے نہ تھا بلکہ آپ کے پیش نظر ایسے پروگرام تھے جن کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج ہو سکے، من جملہ ان کے دینی مدارس میں اصلاحات کا نفاذ بھی تھا۔

آپ نے اپنی وزارت کے دوران مختلف ممالک کے دینی مدارس کے نصاب کا جائزہ لیا اور پاکستان کے دینی مدارس کے لیے اسی طرز کے نصاب کی سفارش کی، ڈاکٹر الغزالی کے بقول:

ڈاکٹر غازیؒ وزیر مذہبی امور کی حیثیت میں پاکستان کے طول و عرض میں جدید طرز پر اسلامی مدارس کا جال بچھانا چاہتے تھے جہاں دینی علوم کے ساتھ جدید عصری علوم کے مضامین بھی نصاب میں شامل ہوں۔ ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ اگر عالم اسلام نے یورپ اور امریکہ کے ہم پلہ ہونا ہے، ملک کو اقتصادی آزادی دلانا ہے تو جدید علوم کا حصول ہمارے لیے ناگزیر ہے "[7]

مشرف دور میں دینی مدارس کو قومی دھارے میں لانے کے لیے ان پر قیود و شرائط لاگو کرنے کی کوشش کی گئی، مختلف محاذوں پر علماء نے مزاحمت کی، ڈاکٹر غازیؒ اس محاذ پر علماء کے ساتھ کھڑے تھے۔ پرویز مشرف کا دور حکومت دینی مدارس کے لیے آزمائش کا دور تھا، ان کا وجود خطرے میں تھا، مغرب کا پروپیگنڈا تھا کہ یہ مدارس انتہا پسندی اور دہشت گردی کو فروغ دے رہے ہیں، پاکستانی حکمران اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر امریکہ کے ہمنوا بن گئے، ان خطرناک حالات میں ڈاکٹر غازیؒ وفاقی وزیر مذہبی امور کے عہدہ پر فائز تھے، آپ کی حکمت عملی کو مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے ان الفاظ میں بیان کیا:

"دینی مدارس کے خلاف پرویز مشرف کی پرجوش پالیسی کی شدت کو جس حکمت عملی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے کم کیا ہے اور اس پالیسی کو ٹالنے کے لیے جو داؤ پیچ ڈاکٹر صاحب نے کھیلے ہیں، یہ ان کا کام تھا۔۔۔ ان خطرناک حالات میں امریکہ نے پرویز مشرف کے ذریعہ دینی مدارس کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ہلہ بولا تھا تو ڈاکٹر صاحب کی حکمت عملی یہ تھی کہ پیپر ورک، فائل ورک اور مسلمان ملکوں کے تعلیمی نظاموں کا جائزہ لینے کے حوالوں سے سرکاری وفود کا سلسلہ

دراز کیا جائے، چنانچہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اسی دوران دینی مدارس کے وفاقوں کو باہمی رابطوں اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے مشترکہ موقف طے کر کے حکومتی پالیسی کی مظبوط مزاحمت کا راستہ اختیار کر کے حکومت کی پالیسی کو ناکام بنا دیا۔"[8]

ڈاکٹر غازیؒ نے جنرل مشرف سے واضح طور پر کہا تھا:

دینی مدارس کے نظام میں اگر کوئی ایسی کوشش کی گئی جس سے ان کی آزادی اور خود مختاری میں کوئی فرق پڑا، نہ صرف یہ کہ ایسی کوئی کوشش قابل عمل نہیں ہوگی بلکہ یہ ملک وملت کے دینی مستقبل کے لیے انتہائی نقصان دہ اور تباہ کن بھی ہوگی۔

اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ایوب دور کی مثال دی :

حکومت پاکستان نے فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم کے دور حکومت میں تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے اور ملک کی شاید دو لاکھ مساجد میں صرف آٹھ سو مساجد کا انتظام وانصرام مشرقی اور مغربی پاکستان کے صوبائی اوقاف کے محکمے مشترکہ طور پر سنبھال سکے، آج مغربی پاکستان سے چاروں صوبوں کی ان مساجد یا ان میں سے چند مساجد سے ملحق مدارس کی کیفیت اور دوسرے غیر سرکاری مدارس کا انتظام دیکھ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ سرکاری انتظام میں اور بیوروکریسی کے ہاتھوں اگر دینی معاملات دے دیئے جائیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟"[9]

اس کے علاوہ جب آپ نیشنل سیکیورٹی کونسل کے ممبر تھے، وفاقی کابینہ اور سیکورٹی کونسل کے مشترکہ اجلاس میں دینی مدارس کی ضرورت واہمیت، ان کے پس منظر اور اسلامی تہذیب وتمدن میں مدارس کے کردار پر روشنی ڈالی، آپ نے یہ واضح کیا کہ حکومت اگر دینی مدارس کے نظام تعلیم میں مزید بہتری کی خواہاں ہے تو یہ ضروری ہے کہ ان کی آزادی اور خود مختاری یقینی بنائی جائے۔

ڈاکٹر غازیؒ نے اپنی وزارت کے دور میں حکومت پاکستان کو اس بات پر قائل کیا کہ دینی مدارس کے انتظام وانصرام اور مالی معاملات میں مدد ہونی چاہیے لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مدارس کا اندرونی ڈھانچہ متاثر نہ ہو، علمائے کرام کی مشاورت سے مدارس میں علوم وفنون متعارف کرائے جائیں، طلبہ ومدرسین کے لیے انگریزی اور کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم ضروری ہو۔

ڈاکٹر غازیؒ ہمیشہ دینی مدارس میں اصلاحات کے نفاذ پر زور دیتے رہے کیونکہ آپ دینی مدارس کے موجودہ نظام اور معیار سے مطمئن نہیں تھے، آپ دینی مدارس کے ساتھ کم و بیش تیس سال تک وابستہ رہے، مدارس کے نظام تعلیم سے واقفیت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے بارے میں آپ کا رویہ غیر روایتی رہا، آپ کے بقول :

''دینی مدارس کے موجودہ نظام اور نصاب میں اوقات کا ہی ضیاع نہیں بلکہ وسائل کا بھی ضیاع ہو رہا ہے، ہم آٹھ دس سال تک ایک طالب علم کو مدارس میں پڑھاتے ہیں اس دوران منطق اور فلسفے سے متعلق بہت سے مضامین طلبہ پڑھ لیتے ہیں، لیکن فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میں سے نوّے فی صد کسی مسجد کی امامت اختیار کرتے ہیں یا مؤذن بنتے ہیں، امامت یا مؤذنی میں منطق اور فلسفہ کا کیا کام ؟ نہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ان مسائل کے حل کے لیے کوئی سوال پوچھتا ہے۔ اس کے بر عکس جو سوالات روزانہ ایک امام مسجد سے کیے جاتے ہیں ان کا جواب ان کے پاس نہیں ہوتا۔''[10]

دینی مدارس میں اصلاحات کا نفاذ کے عنوان سے ۱۴جولائی ۲۰۰۶ء کو اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں ایک گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اجلاس میں ڈاکٹر منظور احمد ریکٹر اسلامی یونیورسٹی، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، صدر اسلامی یونیورسٹی، ڈاکٹر محمود احمد غازی سابقہ صدر اسلامی یونیورسٹی کے علاوہ امریکہ سے آئے ہوئے مندوبین نے بھی شرکت کی۔ اجلاس کا مقصد پاکستان کو یہ باور کرانا مقصود تھا کہ دینی مدارس میں اصلاحات کا نفاذ خود پاکستان کے لیے سود مند ہے   ڈاکٹر غازیؒ نے اپنے خطاب میں اس بات کی تردید کی کہ مدارس میں اصلاحات کا نظریہ امریکہ نے متعارف کرایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دارلعلوم دیوبند کے قیام کے بعد بر صغیر کے مسلم سکالر نے دینی نظام تعلیم میں اصلاحات کی ضرورت محسوس کی تھی، لیکن جو اصلاحات مغربی ممالک متعارف کرانا چاہتے ہیں ان کے بارے میں ڈاکٹر غازیؒ نے افسوس کا اظہار کیا کیونکہ امریکہ کا یہ موقف ہے کہ دینی مدارس دہشت گردی کی آماجگاہ ہیں لہذا انہیں پاک کرنے کے لیے اصلاحات ضروری ہیں، آپ نے یہ بات دوٹوک الفاظ میں بیان کی کہ دہشت گردی کا اصل محرک مغرب کا وہ رویہ ہے جو اس نے اسلامی ممالک کے بارے میں روا رکھا ہے۔[11]

دینی علوم کے ماہرین کی تیاری:

دینی مدارس میں مختلف علوم اسلامیہ میں تخصص کا اہتمام ضروری ہے تاکہ فارغ التحصیل طلبہ اپنے شعبہ میں دسترس رکھتے ہوں، مزید برآں اس تخصص کو دوسرے لوگوں تک منتقل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں، صرف امامت اور

خطابت دینی مدارس کا مقصود نہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غازیؒ نے درج ذیل مقاصد کی نشاندہی کی ہے جن کا حصول دینی مدارس کے منتظمین کے پیش نظر ہونا چاہیے:

۱۔ ایسے ماہر اساتذہ تیار کیے جائیں جو علوم اسلامیہ میں دسترس رکھتے ہوں تاکہ ان علوم کی درس وتدریس عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق ہو سکے۔

۲۔ ایسے علماء وفقہاء پیدا کیے جائیں جو دینی مدارس کے علاوہ ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اپنی خدمات سرانجام دے سکیں تاکہ مجموعی طور پر نئی نسل کو اسلامی طرز معاشرت سے متعارف کرایا جائے۔

۳۔ علوم اسلامیہ میں تخصص اس انداز سے ہو کہ اسلام کے عقائد و نظریات کے بارے میں اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کا تسلی بخش جواب دیا جا سکے۔

۴۔ ایسے طلبہ کی تیاری جو اپنی دینی مہارت کے بل بوتے پر مغربی علوم کا تنقیدی جائزہ لے سکیں تاکہ ان کے مفید اور غیر مفید پہلوؤں کو سامنے لایا جا سکے۔

مدارسِ دینیہ کا نصاب:

ڈاکٹر غازیؒ کا تجزیہ ہے کہ دینی مدارس کے موجودہ نصاب اور نظام تعلیم میں درج بالا مقاصد میں سے کسی بھی ضرورت کی تکمیل کا خاطر خواہ بندوبست نہیں کیا گیا، مثلاً تفسیر کے شعبہ میں فارغ التحصیل اصحاب علوم قرآن، ذخائر تفسیر، تفسیر کے مسائل، مناہج مفسرین، دور جدید میں قرآن پاک پر ہونے والے اعتراضات اور تدوین قرآن جیسے اہم ترین مسائل سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے۔ حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں یہی صورت ہے۔

ڈاکٹر موصوفؒ نے اس بات پر زور دیا کہ تجربات پر غور کرتے ہوئے تخصص کے میدان میں نصاب اور نظام میں اس طرح تبدیلی لائی جائے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ میں سے باصلاحیت افراد کا انتخاب کر کے متعلقہ اسلامی علوم میں ٹھوس تربیت دی جائے۔ امامت وخطابت کے لیے جو لوگ تیار کیے جاتے ہیں ان کے لیے بہت سی ضروری صلاحیتوں کا بندوبست درس نظامی میں موجود نہیں، لہذا ضروری ہے کہ مدارس کے اعلیٰ سطح کے تین چار سالوں کا نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ مدارس کے طلبہ قابل ترین امام اور خطیب بن سکیں، اس سطح پر ڈاکٹر غازیؒ درس نظامی کے نصاب میں اسلامی معاشیات، اسلام کے سیاسی افکار، سیرۃ النبیؐ، صدر اسلام کی تاریخ، تاریخ پاکستان، برصغیر

میں اسلامی تحریکات کی تاریخ اور تجوید قرأت کے مضامین کو شامل کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ سال اول اور سال دوم میں معارف الحدیث اور سال سوم و چہارم میں ترجمان السنہ کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

تدوین نصاب کے سلسلہ میں مزید کہتے ہیں کہ اس مرحلہ کی تکمیل پر پچاس فیصد طلبہ کو فارغ کر دیا جائے اگلے مرحلہ کے لیے ان لوگوں کو چنا جائے جو امامت، خطابت کے میدان میں نہ جانا چاہتے ہوں بلکہ اعلیٰ سطح کی تدریس کے خواہاں ہوں، اس مرحلہ کا دورانیہ تین سے چار سال تک کا ہو۔

اس مرحلہ کے دو ذیلی مراحل ہو سکتے ہیں، پہلے مرحلہ میں تمام طلبہ کو بنیادی کتب کی تعلیم دی جائے، دوسرے مرحلہ میں حدیث اور تفسیر کے طلبہ کو الگ اور فقہ، اصول فقہ کے طلبہ کو الگ گروپوں میں رکھا جائے۔ ان دو مراحل کی کامیاب تکمیل پر طلبہ کی بڑی تعداد کو فارغ کر دیا جائے صرف امتیازی صلاحیت والے طلبہ کو تخصص کے لیے منتخب کیا جائے، تخصص کے لیے ڈاکٹر غازیؒ نے چند چیدہ چیدہ شعبہ جات کا تعین کیا ہے جو دور حاضر کی ضروریات کے لیے ناگزیر ہیں :

۱۔ تفسیر وعلوم القرآن ۲۔ حدیث وعلوم الحدیث ۳۔ فقہ، اصول فقہ ۴۔ افتاء اور قضا ۵۔ عقیدہ اور کلام ۶۔ اسلامی معیشت وتجارت ۷۔ تقابل ادیان ۸۔ فکر جدید اور مطالعہ مغرب ۹۔ اسلام اور اسلامی تہذیب عصر جدید میں ۱۰۔ عربی زبان وادب ۔

ڈاکٹر غازیؒ اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ تخصص کے لیے جو طلبہ چُنے جائیں وہ اتنے قابل ہوں کہ از خود مطالعہ کر سکیں استاد کا کردار صرف ایک راہنما کا ہو، اور کتب میں صرف امہات الکتب شامل ہوں ۔ تخصص کے لیے آپ نے دس شعبہ جات کی نشاندہی کی ہے، لیکن آپ کا خیال ہے کہ کسی ایک ادارے کے لیے ان تمام کا انتظام کرنا ممکن نہیں، لہذا ابتداء میں صرف مثالی اداروں میں ایک یا دو میدان تخصص کے لیے مخصوص کر لیے جائیں۔

عربی وفارسی زبان کا اہتمام:

دینی مدارس میں ان زبانوں کی تدریس کا وہ معیار نہیں ہے جو ہونا چاہیے، طلبہ کو صرف ونحو کے ضروری قوائد حفظ کرائے جاتے ہیں، نامکمل اور ناقص علم کے صفحات کو یاد کر لینے سے مہارت حاصل نہیں ہوتی، عربی زبان اپنی غیر معمولی فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبان کا درجہ رکھتی ہے لہذا ضروری ہے کہ عربی زبان وادب پر

توجہ مرکوز کی جانی چاہیے، ڈاکٹر غازی عربی زبان کی تدریس میں ندوۃ العلماء کے تجربات سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔ عربی نثر میں سیرت ابن ہشام، البدایہ والنہایہ اور مقدمہ ابن خلدون کے منتخب ابواب کو نصاب میں شامل ہونا چاہیے۔

عربی کی طرح فارسی زبان کی درس وتدریس کو ڈاکٹر موصوفؒ ضروری قرار دیتے ہیں فارسی زبان میں مہارت، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اکابر کی کتب کے مطالعہ کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

اس افادیت کے پیش نظر آپ فارسی کو بطور مضمون ضروری خیال کرتے ہیں، آپ کی رائے ہے کہ اگر ابتدائی دینی مدارس میں فارسی کو شامل کیا جائے تو پانچ سال کے عرصہ میں طلبہ فارسی زبان میں ضروری مہارت حاصل کر لیں گے، ابتدائی مدارس میں فارسی کی ابتدائی کتابیں گلستان اور بوستان، جبکہ ثانوی مدارس میں مثنوی مولانا رومؒ، بہار ستان، جامی، کشف المحجوب، کیمیائے سعادت شامل ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات عقائد کو بھی نصابی کتب کے طور پر پڑھایا جائے۔ "[12]

دینی مدارس کے نظام کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ڈاکٹر غازیؒ کس قدر متفکر تھے؟ شاہ معین الدین ہاشمی بیان کرتے ہیں:

ڈاکٹر غازیؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو بر صغیر پاک وہند کے دینی مدارس، ان کے نصاب اور ان کے فاضلین سے متعلق ہے، ڈاکٹر صاحب مدارسِ علوم دینیہ کے بارے متفکر رہتے تھے وہ یہ جانتے تھے کہ اس نظام میں پڑھنے والے طلبہ بالخصوص ملک پاکستان میں اور بالعموم پوری دنیا میں خاص کردار ادا کر سکتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ اس کے لیے کسی بڑے پیمانے پر نہیں بلکہ تھوڑی لیکن مناسب تبدیلیوں کی ضرورت ہے، جن میں ایک ضروری چیز زبان ہے۔ مدارس کے طلبہ کو عربی اور انگریزی زبان کو بالخصوص اور دیگر اہم زبانوں کو بالعموم سیکھنے کی ضرورت ہے آپ کا خیال تھا کہ زبانوں کو سیکھنے سے معاشرے میں علماء کی افادیت کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اسلامی تعلیمات کی کما حقہ تفہیم دینی مدارس کا امتیاز ہے آپ دینی مدارس کے کردار کو وسیع اور مفید بنانا چاہتے تھے، ڈاکٹر موصوف دینی اور اسلامی تعلیم کا نیا جامع اور متوازن نظام وضع کرنا چاہتے تھے، جس کا مقصد پاکستان میں ایسے علماء اور اہل علم کی تیاری ہے جو ایک طرف اسلام کی تعلیمات کو کما حقہ گہرائی اور تعمق کے ساتھ سمجھتے ہوں، اخلاق و کردار میں ائمہ سلف کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہوں اور دوسری طرف وہ دور

جدید اور نئی تعلیم کی تحدیات کو ایک ناقدانہ انداز میں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔"[13]

درج بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر غازیؒ دینی مدارس میں ایسے نظام تعلیم کے خواہاں ہیں جو ہماری قومی ضروریات سے ہر لحاظ سے ہم آہنگ ہو، جدید دور کے چیلنجز کے لیے ہم اپنے آپ کو تیار کر سکیں، سب سے اہم مقصد جس کی طرف ڈاکٹر موصوف نے اشارہ کیا وہ وطن پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانے میں مدارس کا کردار ہے، لیکن ان مدارس کا موجودہ نصاب اور طریقہ تدریس ان اہداف کے حصول کے لیے کسی نشان منزل کا تعین کرنے میں ابھی تک ناکام ہے، اسی المیے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر غازیؒ نے اکابر کا قول نقل کیا ہے کہ "ان مدارس میں صرف مستیتیے تیار کیے جاتے ہیں، اور جب تک یہ مستیتیے تیار ہوتے رہیں گے، مدارس کا وجود بھی برقرار رہے گا"۔[14]

ان اکابر کی یہی ذہنیت مدارس میں جدید علوم متعارف کرانے میں بڑی رکاوٹ ہے چند مدارس کے علاوہ اکثر میں وہی روایتی انداز اختیار کیے ہوئے ہیں، مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کی اکثریت کا معاشرے میں کردار صرف مسجد کی امامت یا خطابت تک محدود ہے، اسلامی معاشرے میں امامت اور خطابت کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہے، معاشرتی برائیوں کی سرکوبی کے لیے ائمہ اور خطباء کی کوششوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا،

لیکن طلبہ کو اس دائرے تک محدود رکھنا، ان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کرنے کے مترادف ہے، ان تمام ترخوبیوں اور خامیوں کے باوجود دینی مدارس نے جو خدمات سر انجام دی ہیں ان کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:
۱۔امامت، خطابت اور قرآن کریم کی درس وتدریس کے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے آئمہ اور حفاظ قرآن تیار کیے جو مختلف مساجد اور مدارس میں کام کر رہے ہیں۔

۲۔علوم اسلامیہ کہ علاوہ عربی و فارسی زبانوں اور دیگر علوم کی اشاعت و ترویج کا خاطر خواہ انتظام کیا۔
۳۔مسلمانوں کے عقیدہ و فکر کی حفاظت کی ،غیر اسلامی رسومات کے تدارک کے لئے اپنا کردار ادا کیا۔
۴۔عالم اسلام میں دعوت و تبلیغ کا عمل جاری کیا جس کے مثبت اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ انتہائی قابل فاضل محققین، مصنفین اور دانشور تیار کیے۔[15]

۵۔آپ دنیا کے کسی خطے میں بھی چلے جائیں پاکستانی دینی اداروں کے فاضل علماء ہر جگہ نمایاں نظر آئیں گے دنیا بھر کے مفتیانِ کرام کی عالمی تنظیم "مجمع الفقہ الاسلامی" کو دیکھیں اس کے نائب صدر مفتی تقی عثمانی ہیں، دنیا بھر میں اسلامی مالیاتی اداروں کے شرعی معیارات بنانے والے ادارے "AAOIF" کو دیکھیں علماء ہی اس کے سربراہ

ہیں، شاہ فیصل ایوارڈ دیا جاتا ہے تو مولانا ابوالحسن علی ندوی کو، اسلامی ترقیاتی بینک اعزاز سے نوازتا ہے تو مدرسے کے فاضل کا نام آتا ہے۔[16]

ان تمام تر خصائص کے باوجود مدارس دینیہ میں کچھ امور اب بھی توجہ طلب ہیں جن میں سر فہرست مسلکی اختلافات ہیں جن کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اختلاف رائے گو بذات خود ایک مثبت سوچ کی عکاسی کرتی ہے لیکن فروعی مسائل میں اس قدر شدت امت مسلمہ کو فرقہ واریت کی آگ میں جھونک رہی ہے۔ مدارس کے انتظامی اداروں کو مل بیٹھ کر اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا ہو گا تاکہ یہ مدارس صحیح معنوں میں اسلام اور عالم اسلام کی خدمات سر انجام دے سکیں۔

حالات کا معروضی تجزیہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دینی مدارس کے کردار کو مزید فعال بنانے کے لیے ان کے نصاب اور نظام میں دوررس تبدیلیاں لائی جائیں، ڈاکٹر غازیؒ کی تجویز کردہ سفارشات کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر ان کی عملی تطبیق کی صورت پیدا کی جائے تاکہ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ اپنی عملی زندگی میں ہر شعبہ میں خدمات انجام دے سکیں۔

مراجع وحواشی

1 ملتانی محمد اسحاق تحفۃ المدارس، ج ۱، (طبع ۱۴۲۹ھ) ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، پاکستان۔

2 سورۃ البقرۃ: ۱۲۹

3 مولانا ابو جندل، ماہنامہ بناتِ عائشہؓ ص ۱۱۲ (طبع اکتوبر ۲۰۱۰ء) کراچی

4 قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ اسلامیات، کراچی، ص ۱۱

5 quarterly IPS News (july-sep2000) Islamabad,p-3

6 ڈاکٹر غازی، محمود احمد، مسلمانوں کا دینی و عصری نظامِ تعلیم ص ۲۵ (طبع اول) ناشر الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

7 روزنامہ جہاد، پشاور۔ ۳۱ جنوری ۲۰۱۱ء

8 مسلمانوں کا دینی و عصری نظامِ تعلیم، ص ۲۱

9 ماہنامہ الفرقان۔ جنوری ۲۰۱۱۔ لکھنو، ص ۵۰

10 مسلمانوں کا دینی و عصری نظامِ تعلیم، ص ۳۲

11 The DAWN internet,july15, 2006

12 ماہنامہ الشریعہ، جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۳۲ تا ۳۹ کا خلاصہ

13 ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری ۲۰۱۱ء۔ ص ۱۸۵

14 مسلمانوں کا دینی و عصری نظامِ تعلیم، ص ۲۰

15 ابو عمار زاہد الراشدی، دینی مدارس کا نصاب و نظام (نقد و نظر کے آئینے میں) ص ۲۳ (طبع اول)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ

16 روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۱۵ جنوری ۲۰۱۵ء